محمد اسحاق بھٹی

جہاں گیر کی زندگی کے چند علمی اور اسلامی پہلو

جہاں گیر، مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کا سب سے بڑا بیٹا اور بابر کی نسل کا چوتھا بادشاہ تھا جو چہار شنبہ کے روز ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ کو نواحِ آگرہ میں سیکری کے مقام پر ایک تارک الدنیا بزرگ کے گھر میں پیدا ہوا، اس بزرگ کا نام شیخ سلیم تھا۔ جہاں گیر کی ماں کا شاہی نام مریم زمانی تھا، وہ راجہ بہارا مل کی بیٹی تھی اور ہندوستان کے راجپوت خاندان سے تعلق رکھتی تھی —— جہاں گیر سے پہلے اکبر اولادِ نرینہ سے محروم تھا۔ اس زمانے میں وہ مذہبی رجحانات کا حامل تھا اور ذہن و قلب پر اسلامی احکام و اوامر کے اثرات چھائے ہوئے تھے۔ وہ فتح پور سیکری کے مشہور بزرگ شیخ سلیم بن بہاء الدین چشتی کا مرید تھا اور ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا تھا۔ شیخ سلیم چشتی، شیخ فرید الدین شکر گنج کی اولاد سے تھے۔ اکبر نے شیخ سے بیٹے کی ولادت اور زندگی کی دعا کرائی، اللہ نے دعا قبول فرمائی اور بادشاہ کو بیٹا عطا کیا۔ بیٹے کا نام مرشد کے نام پر سلیم رکھا گیا۔ جہاں گیر اپنے تزک کے آغاز میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جس زمانے میں اس کے والد بزرگوار کے دل میں بیٹے کی شدید آرزو کروٹ لے رہی تھی، ان دنوں نواحِ آگرہ کے موضع سیکری کے ایک پہاڑ میں شیخ سلیم نامی ایک صاحبِ حال درویش فروکش تھے۔ وہ عمر کی بہت سی منزلیں طے کر چکے تھے اور اس نواح کے لوگ ان سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ شہنشاہ اکبر چونکہ بزرگوں کا بڑا معتقد تھا، لہٰذا شیخ سلیم کی خدمت میں بھی جاتا اور ان کی صحبت سے مستفیض ہوتا۔ ایک روز جب کہ شیخ ممدوح عالمِ بے خودی میں تھے، اکبر نے ان سے پوچھا، میرے کتنے بیٹے ہوں گے۔؟

فرمایا۔ بخشندۂ بے منت سہ پسر بہ شما ارزانی خواہد داشت۔

اللہ تعالیٰ تمہیں تین فرزند عطا کرے گا۔

اکبر نے کہا :

نذر نمودم کہ فرزندِ اوّل را بہ دامنِ تربیت و توجہِ شما انداختہ۔ شفقت و مہربانی شما را حامی و حافظِ او سازم۔

میں نے نذر مانی ہے کہ پہلا بیٹا آپ کے دامنِ تربیت اور التفاتِ توجہ میں دوں گا اور آپ کی شفقت و عنایت کو اس کا حامی و محافظ بناؤں گا۔

شیخ نے بادشاہ کی یہ پیش کش قبول فرمائی اور کہا:

مبارک باشد، ما ہم ایشاں را ہم نامِ خود ساختیم۔

مبارک ہو، ہم اس بچے کو اپنا ہم نام بنائیں گے۔

جہاں گیر کی ولادت شیخ سلیم کے گھر میں ہوئی۔ چنانچہ وہ اس سے آگے خود لکھتا ہے:

چوں والدۂ مرا ہنگامِ وضعِ حمل نزدیک می رسد بخانۂ شیخ می فرستند تا ولادتِ من دراں جا واقع گردد، بعد از تولد نامِ مرا سلطان سلیم نہادند۔

جب میری والدہ کے وضعِ حمل کا وقت قریب آیا تو ان کو شیخ کے مکان میں بھیج دیا گیا تاکہ میری ولادت وہیں ہو۔ ولادت کے بعد میرا نام سلیم رکھا گیا۔

چوں کہ جہاں گیر کا نام اکبر کے مرشد کے نام پر سلیم رکھا گیا تھا، اس لیے نام کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے باپ نے بیٹے کو کبھی کسی حالت میں بھی نام لے کر نہیں پکارا۔

اما من از زبانِ مبارک پدرِ خود نہ در مستی و نہ در ہوشیاری شنیدم کہ مرا محمد سلیم یا سلطان سلیم مخاطب ساختہ باشند، ہمہ وقت شیخو بابا گفتہ سخن می کردند۔

لیکن میں نے اپنے باپ کی زبان سے، نہ عالمِ مدہوشی میں، نہ حالتِ سرشاری میں، مجھ کو محمد سلیم یا سلطان سلیم کے نام سے پکارتے نہیں سنا۔ وہ ہمیشہ مجھے شیخو بابا کہتے تھے۔

جہاں گیر کی ولادت کے بعد اکبر نے سیکری کو مقامِ مبارک سمجھ کر اپنا دار الخلافہ بنایا اور چودہ پندرہ سال میں اس پہاڑ اور جنگل میں ایک ایسا شہر آباد کر دیا جہاں ہر نوع بنوع باغات دکھائی دیتے اور ہر طرف دل کش عمارات نظر آتی تھیں۔ پھر فتح گجرات کے بعد اس کو فتح پور کے نام سے موسوم کیا۔[1]

---

[1] تزکِ جہاں گیری، ص ۲، ۳

تعلیم و تربیت

جہاں گیر نے ابتدائی تربیت شیخ سلیم چشتی کے گھر میں پائی اور چار سال چار ماہ چار روز کا ہوا تو چہار شنبہ کے روز ۲۲ رجب ۹۸۱ھ کو تعلیم کے لیے مکتب میں بٹھا دیا گیا[15] اس کے اساتذہ میں مولانا محمد سعید ہروی المعروف بہ میر کلاں محدث اور مفتی صدر جہاں پہانی شامل ہیں۔ میر کلاں سے اس نے حدیث کی سماعت کی۔ اس کے ایک معلم و اتالیق قطب الدین محمد خاں تھے، جن کے بارے میں وہ خود لکھتا ہے کہ "آں برگزیدہ دین و دولت خلعتِ امتیاز پوشید"[16] جہاں گیر ترکی زبان کا بھی عالم تھا۔ یہ زبان اس نے عبدالرحیم خانِ خاناں سے سیکھی۔ چہل حدیث کا درس اس نے شیخ عبدالغنی کی خدمت میں رہ کر لیا[17]

جلال الدین اکبر نے جہاں گیر کی تربیت کا عمدہ ترین اہتمام کیا اور ملک کے مشاہیر اساتذہ کو اس کی تعلیم پر مامور فرمایا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ شہنشاہ اکبر کا یہ جانشین اپنے دور کا عالم و فاضل شخص تھا۔ علما و فقہا سے اس کے مخلصانہ مراسم تھے۔ اصحابِ تصوف و طریقت سے نہایت احترام سے پیش آتا تھا، شعرا و ادبا کی بڑی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اربابِ فن کی اس کے دل میں بدرجۂ قدر و منزلت تھی۔ قرآن و تفسیر، حدیث و فقہ، فلسفہ و حکمت اور دیگر علومِ مروجہ سے اس کو گہرا لگاؤ تھا۔ بہترین شاعر تھا۔ اس کے دربار میں شعر و شاعری کی بالالتزام محفلیں جمتیں۔ شعرا اپنا کلام سناتے اور داد پاتے۔ جہاں گیر ان محفلوں میں شرکت کرتا اور ادبی مباحث میں پوری طرح حصہ لیتا۔ مشہور شعرا کے بے شمار اشعار اسے زبانی یاد تھے، وہ انھیں مناسب مواقع پر پڑھتا اور اونچے درجے کے نقاد کی طرح ان کے حسن و قبح کو تنقید کی میزان میں رکھتا۔

جہاں گیر کی بغاوت

اکبر نے اگرچہ جہاں گیر کے لیے بہترین تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ تاہم ایک مرحلے میں باپ بیٹے کے باہمی تعلقات میں سخت کشیدگی پیدا ہوگئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ۱۰۰۱ھ میں اکبر کو شدید بیماری نے آگھیرا اور اس نے کرب و اذیت کے اس عالم میں بیٹے پر الزام عائد کیا کہ اس نے سازش

---

[15] مقدمہ تزک جہانگیری ص ۔ [16] تزک جہانگیری ص ۲ [17] ایضاً ص ۲

کرکے مجھے زہر دے دیا ہے۔ پھر دونوں میں ذہنی بُعد اس وقت نقطۂ عروج کو پہنچا جب ۱۰۰۰ھ میں جہاں گیر نے اکبر کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرکے الٰہ آباد کے مقام پر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اکبر نے بعض ذرائع سے مصالحت کی کوشش کی مگر جہانگیر اس پر آمادہ نہ ہوا بلکہ حالات کی رفتار نے ایسا رخ اختیار کیا کہ ۱۰۱۰ھ میں وہ ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ آگرے کی طرف بڑھا۔ اکبر نے بھی دفاعی کارروائیاں شروع کیں اور اس کا لشکر شہزادے کے مقابلے کے لیے میدانِ کارزار میں نمودار ہوا۔ لیکن شہزادہ الٰہ آباد کی طرف واپس لوٹ گیا اور شاہی لقب اختیار کرکے باقاعدہ دربار قائم کرلیا۔ حالات میں زیادہ پیچیدگی پیدا ہوئی تو اکبر کے مرحوم وزیر بیرم خاں کی بیوہ سلیمہ سلطان بیگم درمیان میں پڑی اور مصالحت کی دوبارہ ایک صورت سامنے آئی۔ لیکن شہزادہ اس پر بھی قائم نہ رہا اور جلد ہی پہلی روش اختیار کرلی اور الٰہ آباد جا کر پھر اپنا دربار قائم کرلیا۔

واقعات کا سلسلہ اسی نہج پر آگے بڑھتا رہا۔ اس اثنا میں جہاں گیر اس قطعی نتیجے پر پہنچا کہ اکبر کا وزیر ابوالفضل ہی تمام مصیبتوں کا باعث ہے اور وہ اس کے خلاف بادشاہ کے کان بھرتا رہتا ہے، لہٰذا ابوالفضل کو درمیان سے ہٹانا ضروری ہے۔ ان دنوں ابوالفضل دکن میں مقیم تھا، اکبر نے ضروری مشوروں کے لیے اسے دارالخلافہ میں طلب کیا۔ اس کی اطلاع جہاں گیر کو بھی پہنچ گئی، اسے یقین ہوگیا کہ ابوالفضل شہنشاہ کو میری مزید مخالفت پر آمادہ کرے گا اور معاملہ اور اُلجھ جائے گا۔ اب اس نے بندھیلا کے ایک سردار نرسنگھ دیو کو اس پر آمادہ کیا کہ جب ابوالفضل تمھارے علاقے سے گزرے تو اُسے قتل کر دو، میں تمھیں بہت سی مراعات دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نرسنگھ دیو کے ملازموں نے ابوالفضل کو قتل کرکے اس کا سر جہاں گیر کے پاس الٰہ آباد بھیج دیا۔ اس قتل کا اکبر کو بہت افسوس ہوا مگر وہ بیٹے کو کچھ نہ کہہ سکا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں گیر کو باپ کے مذہبی افکار سے کوئی تعلق نہ تھا، اس نے کسی موقع پر بھی ان افکار و تصورات کی حمایت نہیں کی جو اکبر کو سب سے زیادہ عزیز تھے، بلکہ واقعات کی مختلف کڑیاں ملائی جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکبر کے ذہنی تصورات کا مخالف تھا۔ اکبر ہندوستان کا بہت بڑا حکمران اور عظیم منتظم تھا۔ اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، پھر ابوالفضل سے اگرچہ اب اکبر کے تعلقات اچھے نہ رہے تھے اور ابوالفضل

کو اس کا شدید احساس بھی تھا تاہم اس کو قتل کر دینا امر سہل نہ تھا۔ جہاں گیر کی تعلیم و تربیت چوں کہ علمائے حق کی نگرانی میں ہوئی تھی، اس لیے وہ ان سے متاثر تھا اور اپنے باپ کے دینی افکار اور ابوالفضل اور اس کے باپ شیخ مبارک اور بھائی فیضی نے اس سلسلے میں جو کردار ادا کیا، اس سے خوب واقف تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ سلسلہ مزید آگے بڑھے، لہٰذا باپ سے اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی تھی اور ابوالفضل کے قتل میں بھی یہی راز مضمر تھا۔ ملا مبارک اور فیضی پہلے وفات پا چکے تھے اور ابوالفضل ہی باقی رہ گیا تھا۔ ہندوستان میں کسی شکل میں اسلامی فضا پیدا کرنے کے لیے اس کو راستے سے ہٹانا ضروری تھا۔

اس ضمن میں ہندوستان کے مشہور مؤرخ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے مندرجہ ذیل الفاظ لائق مطالعہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

جہاں گیر ایک راجپوت شاہ زادی کا فرزند اور متعدد راجپوت شاہ زادیوں کا شوہر تھا، لیکن اس کے باوجود یہ کہنے میں بالکل تامل نہیں کہ وہ علما کی تعلیمات سے پوری طرح متاثر رہا۔ ایک بار وہ ابوالفضل سے ملنے گیا، دیکھا کہ اس کے گھر پر بہت سے کاتب، کلام پاک اور تفسیر کی کتابت کرنے میں مشغول ہیں۔ ابوالفضل ہی نے اکبر کو یہ یقین دلایا تھا کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں، کلام رسول ہے۔ جہاں گیر اپنے باپ کی گمراہی کا سبب ابوالفضل ہی کو قرار دیتا تھا، اس لیے وہ کاتبوں سے لے کر تمام اوراق اکبر کے پاس لے گیا اور کہا کہ ابوالفضل کا مذہب خلوت میں کچھ اور ہے اور جلوت میں کچھ اور۔۔۔! اور اپنی تزک میں اس نے اعتراف کیا ہے کہ ابوالفضل کو قتل کرانے میں اس کے مذہبی جذبے کو بھی دخل تھا۔ جہاں گیر کے تعلقات حضرت مجدد سے شروع میں ضرور خراب رہے، لیکن جب اچھے ہو گئے تو وہ روزانہ ان سے مغرب کے بعد ملاقات کرتا۔ ان ملاقاتوں سے اس کے قلب کی تطہیر جس طرح ہوئی ہے، اس کا اعتراف حضرت مجدد صاحب نے اپنے مکتوبات میں کیا ہے[۵]

جہاں گیر کی تخت نشینی میں جن امرائے مملکت کا ہاتھ ہے اور جن شرائط پر اسے حکومت دی گئی پھر برسر حکومت آتے ہی بارہ احکام پر مشتمل جو دستور العمل اس نے جاری کیا، اس سے اس بات کی

---

۵ ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر۔ ص ۲۲

شہادت ملتی ہے کہ جہاں گیر مذہبی اور دینی اعتبار سے باپ سے بالکل مختلف تھا اور اس کے دل میں اسلام کی روشنی موجود تھی۔

تخت نشینی اور بارہ احکام

جہاں گیر پنجشنبہ کے روز ۱۴ جمادی ۱۰۱۴ھ ( ) کو چھتیس سال کی عمر میں اپنے والد جلال الدین اکبر کی وفات کے بعد دار الحکومت آگرہ میں نور الدین محمد جہاں گیر کے نام سے تخت نشین ہند ہوا اور برصغیر کی وسیع سلطنت کی زمام اختیار ہاتھ میں لی۔ اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور امرا و وزرا اور ارکان سلطنت کو خلعات و انعامات اور ترقیات سے نوازا گیا۔ اس نے عدل و انصاف کے ساتھ امور حکومت کا آغاز کیا۔ علامہ سید عبدالحی حسنی لکھنوی لکھتے ہیں :

وافتتح امرہ بالعدل والسخاء وقرب الیہ العلماء وکان صحیح العقیدۃ خلافا لوالدہ۔ ۵۶

جہاں گیر نے اپنا سلسلۂ حکومت عدل و انصاف اور جود و سخا کے ساتھ شروع کیا، علمائے کرام اس سے قرب و تعلق رکھتے تھے اور وہ اپنے باپ (اکبر) کے برعکس صحیح العقیدہ مسلمان تھا۔

جہاں گیر کی معدلت گستری کا یہ عالم تھا کہ اس نے زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی حکم جاری کیا کہ قلعے کے برج پر ایک زنجیر عدالت آویزاں کی جائے تاکہ جو فریادی اور مظلوم کسی وجہ سے شاہی دربار تک رسائی حاصل نہ کر سکیں، وہ اس زنجیر کو ہلا دیں کہ بادشاہ براہ راست ان کی فریاد سن سکے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے حسب ذیل بارہ احکام جاری کیے۔

۱۔ محصول چنگی اور محصول میر بحری معاف کر دیے جائیں اور جو بیگاریں صوبوں کے جاگیردار اور عمال حکومت اپنے ذاتی مفاد کے لیے لوگوں سے لیتے ہیں، وہ ختم کر دی جائیں۔ اپنے اختیارات سے جن تکلیفوں اور مشقتوں میں وہ عوام کو مبتلا کرتے ہیں، ان کا سلسلہ فوری طور پر بند کر دیا جائے

۲۔ جو راستے آبادیوں سے دور ہونے کی وجہ سے چوروں اور ڈاکوؤں کی زد میں ہیں، اور مسافر ہر وقت خطرے میں گھرے رہتے ہیں، وہاں منزل بہ منزل سرائیں اور مسجدیں تعمیر کی جائیں، کنوئیں کھدوائیں اور ان میں محافظ مقرر کیے جائیں تاکہ راہ گزر امن و امان سے اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔

---

۵۶ نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص ۱۲۰۔

۳۔ جو لوگ لاوارث فوت ہو جائیں، وہ مسلمان ہوں یا ہندو، ان کی متروکہ دولت سے مسجدیں، سرائیں اور نئے پل تعمیر کیے جائیں، کنوئیں اور تالاب کھدوائے۔ یا پرانے اور شکستہ پلوں کی مرمت کرائی جائے۔ یہ سب مصارف ان کی دولت کے شرعی مصارف ہوں گے۔

۴۔ ملک میں شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں کی فروخت بند کر دی جائے۔

۵۔ شاہی ملازمین اور سرکاری اہل کار کسی کے گھر میں قیام نہ کریں۔

۶۔ کسی کو ناک، کان کاٹنے کی سزا نہ دی جائے۔ [جہاں گیر کہتا ہے] میں خود بھی بارگاہِ الٰہی میں عہد کرتا ہوں کہ کسی کو یہ سزا نہ دوں گا۔

۷۔ سرکاری زمین کے منتظموں اور جاگیرداروں کو حکم دیا جاتا ہے کہ رعایا کی زمین پر ظلم و تعدی سے قبضہ کر کے اس پر کاشت نہ کریں۔

۸۔ دیہات میں جو سرکاری عامل اور منتظم و ملازم بسلسلۂ ملازمت متعین ہیں، وہ وہاں بلا اجازت شادی نہ کریں۔

۹۔ بڑے بڑے شہروں میں شفا خانے قائم کیے جائیں اور ان میں جو طبیب مقرر کیے جائیں ان کے اخراجات شاہی خزانے سے ادا کیے جائیں۔

۱۰۔ ہر سال ۱۷ ربیع الاول کو، جو کہ جہاں گیر کی تاریخ ولادت ہے، اور ہفتے میں دو روز یعنی جمعرات اور ہفتے کو جانور ذبح نہ کیے جائیں۔

۱۱۔ جلال الدین اکبر بادشاہ کے زمانے کے تمام عہدے دار بدستور سابق برقرار رہیں۔

۱۲۔ تمام قیدی جو مختلف قلعوں اور جیلوں میں محبوس و مقید ہیں، رہا کر دیے جائیں[۵]

شرع محمدی کے نفاذ و تحفظ کی شرط

تخت نشینی کے بعد جہاں گیر کے یہ بارہ احکام [احکامِ دوازدہ] اس کے دستور العمل کی حیثیت رکھتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان میں کسی نہ کسی صورت میں اسلامی احکام نافذ کرنا چاہتا تھا۔ یہ تو واقعہ ہے کہ اس کو اپنے باپ کے دین سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ نہ اس سے تعلق کا

---

۵ تزکِ جہاں گیری، ص ۵

اظہار اپنے سینتیس سالہ دورِ شہزادگی میں کیا اور حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے کے بعد اس سے وابستگی کا ثبوت بہم پہنچایا۔ بلکہ "اکبر اینڈ دی جیوٹس" کا مصنف سی، ایچ، پین تو صاف لفظوں میں کہتا ہے کہ: جو امرائے سلطنت جہاں گیر کو وارثِ تختِ ہند بنانا چاہتے تھے، ان کی بنیادی شرط یہ تھی کہ بادشاہ اس ملک میں شرعِ محمدی کا نفاذ و تحفظ کرے گا۔[۸]

جن امرائے سلطنت نے جہاں گیر کو بادشاہِ ہند بنانے میں اہم کردار ادا کیا ان میں شیخ فرید بخاری جسے بعد میں نواب مرتضیٰ خاں کا خطاب ملا، پیش پیش تھا۔ درحقیقت دربار کے دو نامور رکن، اکبر کا جانشین، جہاں گیر کے بیٹے خسرو کو بنانا چاہتے تھے۔ ان دو میں سے ایک اکبر کا مشہور مصاحب عزیز خاں کوکہ تھا جو خانِ اعظم کے لقب سے ملقب تھا، اور دوسرا راجہ مان سنگھ۔ خسرو کی بیوی خانِ اعظم کی بیٹی تھی، راجا مان سنگھ کا بھی وہ رشتہ دار تھا۔ ان دونوں نے خسرو کی تخت نشینی کے لیے کوشش بھی کی، لیکن شیخ فرید اور بعض دیگر مسلمان امرا نے اس کوشش کو کامیابی سے ہم کنار نہیں ہونے دیا۔ ان کی تگ و دو سے جہاں گیر ہی اکبر کا جانشین بنا اور انھوں نے جہاں گیر سے دو شرطوں پر پابند رہنے کا وعدہ لیا۔ ایک یہ کہ وہ ملک میں شرعِ محمدی کا نفاذ کرے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے بیٹے خسرو اور اس کے معاونوں سے کسی قسم کی سرزنش نہیں کرے گا۔ شہزادے نے ان شرائط کی پابندی کا حلف اٹھایا اور محافظوں کی کثیر تعداد کے ساتھ اپنے باپ کی ملاقات کو گیا۔[۹]

بلاشبہ جہاں گیر نے بہت حد تک اپنے وعدے کا ایفا کیا، ملک میں اسلام اور علومِ اسلامی کو ترقی دی۔ اس کے عہد میں بہت بڑا کام یہ ہوا کہ اکبر کے مذہبی افکار کا کوئی اثر اگر کہیں باقی بھی تھا تو اس کے عہد میں بالکل ختم ہو گیا۔

بیٹوں کی بغاوت

تخت نشین ہونے کے بعد خود جہاں گیر کو بھی بیٹوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلے تخت نشینی کے تھوڑے عرصہ ہی بعد ۱۰۱۵ھ (   ) میں اس کے بیٹے خسرو نے بغاوت کا علم کیا، مگر بعد میں مصالحت ہو گئی لیکن جہاں گیر نے بیٹے کے اس گستاخانہ اقدام کو کبھی معاف نہیں کیا۔

---

[۸] اکبر اینڈ دی جیوٹس، ص ۲۰۲ [۹] ایضاً

چنانچہ ۱۰۳۱ھ (   ) میں جب وہ برہان پور میں فوت ہو گیا تو جہاں گیر نے اطمینان کا سانس لیا، کیوں کہ اس کی ایک بڑی پریشانی ختم ہو گئی تھی۔

یہاں یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ سکھوں کے پانچویں گرو ارجن دیو نے جہاں گیر کے خلاف بغاوت کے زمانے میں خسرو کی مدد کی اور اسے پناہ دی تھی، جس کی بنا پر شہنشاہ نے اسے موت کی سزا دی، اس واقعہ کے آئندہ سکھ مسلم تاریخ پر گہرے اور دُور رس اثرات مرتب ہوئے۔

اس سے پندرہ سال قبل ۱۰۱۶ھ میں جب جہاں گیر کابل میں خیمہ زن تھا تو اُسے قتل کرنے کی سازش کی گئی، جسے اس نے ناکام بنا دیا۔ سازش کے چار سرغنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور شہزادہ خسرو کی، جو اس سازش کا اصل محرک تھا، بادشاہ کے حکم سے آنکھیں نکال دی گئیں۔

۱۰۳۲ھ میں جہاں گیر کو اپنے ایک اور بیٹے شہزادہ خرم کی، (جو آگے چل کر شہاب الدین محمد شاہ جہاں کے نام سے وارثِ تختِ مسند ہوا) بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس بغاوت کا باعث شہزادہ خرم اور ملکہ نور جہاں کے باہمی اختلافات تھے۔ نور جہاں سے جہاں گیر کی ۱۰۲۰ھ میں شادی ہوئی تھی اور وہ اپنے حسن و خوب روئی اور عقل و دانش کی بنا پر حکومت کے دروبست پر تقریباً قابض ہو گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ شہزادہ خرم راستے سے ہٹ جائے تاکہ اس کے داماد شہریار کو، جو شاہ جہان کا سوتیلا بھائی تھا، تختِ مسند پر متمکن کیا جا سکے۔ شہزادہ خرم کی بغاوت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور اس نے ملک میں خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی۔ اس سے شاہی وقار کو بڑا صدمہ پہنچا اور خزانہ تقریباً خالی ہو گیا۔ بغاوت کا یہ سلسلہ تین سال تک چلا۔ آخر مہابت خاں کی فوجی قوت نے جمادی الاخریٰ ۱۰۳۵ھ (   ) میں خرم کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔

ان واقعات سے ہمیں حیران اور متعجب ہونے کی ضرورت نہیں۔ بادشاہوں کی سرگزشت ہمیشہ تلوار کے قلم اور خون کی روشنائی سے انسانوں کی ہڈیوں پر رقم کی جاتی ہے۔ ان کی تاریخ کے اوراق میں ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں باپ بیٹے کے خلاف سینہ سپر ہے اور کہیں بیٹا باپ کی گردن پر تیغ کی دھار آزما رہا ہے۔ تاریخ کے یہ مختلف موڑ ہیں جو ایک خاص انداز کے ساتھ مڑ کاٹتی رہتی ہے۔ ہمیں ان کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم اس ڈھیر میں سے فقط اپنے مطلب کی چند چیزیں لینا چاہتے ہیں۔

علمائے کرام سے محبت وعقیدت

جہاں گیر، سنی العقیدہ بادشاہ تھا اور اس کو علمائے وقت سے بہت محبت وعقیدت تھی، اس کے بائیس سالہ دورِ حکومت میں جون پور، دہلی، لاہور، آگرہ، کشمیر، سیالکوٹ، ملتان، سرہند برہان پور، ٹھٹھہ وغیرہ بلاد وامصار اور مختلف دیہات وقصبات میں متعدد علمائے کرام موجود تھے اور ان علاقوں کو فقہا، شعرا، صوفیا، اتقیا اور علما کے مراکز کی حیثیت حاصل تھی۔ ان علماو فقہا میں سے جہاں گیر بالخصوص شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ذاتِ گرامی، ان کے علم وفضل کی وسعت پذیری اور تقویٰ وتدین کا بڑا مداح تھا۔ دہلی میں اپنے چودھویں سالِ جلوس میں ان سے ملاقات بھی کی، جس کا وہ اپنی تزک میں ذکر بھی کرتا ہے[۱۰] حضرت مجدد الف ثانی کی صحبت کیمیا اثر سے بھی اس نے غیر معمولی روحانی و مذہبی برکات حاصل کیے۔ ابتدا میں بعض درباری علما کی فتنہ پرور گفتگو سے متاثر ہوکر وہ حضرت مجدد سے برگشتہ رہا، یہاں تک کہ اشتعال میں آکر ان کو گوالیار کے قلعے میں نظر بند بھی کر دیا مگر بعد میں انھیں رہا کر دیا اور ان سے بدرجہ غایت محبت و مؤدت پیدا ہوگئی تھی۔ حضرت مجدد کی رہائی کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ایک روز جہاں گیر نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرما رہے ہیں کہ جہاں گیر! تم نے ایک بڑے آدمی کو قید میں ڈال رکھا ہے۔ خواب دیکھنے کے فوراً بعد وہ بیدار ہوا اور حضرت کی رہائی کا حکم صادر کیا۔ انھیں اپنے پاس بلایا، معذرت طلب کی اور لطف وکرم سے پیش آیا۔ پھر ان کی ذاتِ گرامی سے جہاں گیر کی شیفتگی اور عقیدت مندی یہاں تک پہنچی کہ زیادہ تر انہی کی خدمت میں رہنے لگا۔ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:

بادشاہ از محبانِ شیخ شد، بحدیکہ گاہی آں جناب را از خود جدا نمی کرد، و شہزادہ خرم را داخل حلقۂ مریدانِ شیخ نمود، چنانچہ تا عہد شاہ جہان و عالم گیر بادشاہان باہمہ علما و زرا داخل سلسلۂ مجددیہ می شدند[۱۱]

جہاں گیر بادشاہ کا شمار محبانِ شیخ مجدد میں سے ہوا، یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو حضرت سے جدا

---

[۱۰] دیکھیے تزکِ جہاں گیری، ص ۲۸۵ [۱۱] خزینۃ الاصفیا، ص ۲۸۳

کیا کرتا تھا، شہزادہ خرم کو حضرت شیخ کے حلقۂ مریدین میں شامل کیا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ شاہ جہاں اور عالمگیر کے عہد تک شاہان ہند اپنے تمام علماء و امراء کے ساتھ سلسلۂ مجددیہ میں داخل ہوتے تھے۔

حضرت مجدد سے جہانگیر کے تعلق و شیفتگی کی یہ نوعیت تھی کہ روزانہ مغرب کے بعد وہ ان سے ملاقات کرتا۔ ان ملاقاتوں اور باتوں کا ذکر کرتے ہیں، اس کے قلب و ذہن دین کی روشنی سے منور ہوئے۔ حضرت مجدد اپنے صاحبزادوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کو ایک مکتوب میں جن الفاظ میں اس کا اظہار کرتے ہیں، ان کا ترجمہ لائق مطالعہ ہے:

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اس طرف کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں۔ (بادشاہ کے ساتھ) عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان گفتگوؤں سے امور دینیہ اور اصول اسلامیہ میں قطعاً کسی قسم کی سستی اور مداہنت کا دخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان مجلسوں میں وہی باتیں ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو دفتر ہو جائے۔ بالخصوص آج رمضان کی سترھویں شب کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت، عقل کے عدم استقلال، اور آخرت کے ایمان، اس کے عذاب و ثواب، رؤیت و دیدار کے اثبات، حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خاتمیت، ہر صدی کے مجدد، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اقتدا، تراویح کی سنیت، تناسخ کے ابطال، جنوں اور جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب و ثواب کے بارے میں بہت کچھ مذکور ہوا۔ بادشاہ بڑی خوشی سے سب باتیں سنتا رہا۔ اس اثنا میں اور بھی بہت سی باتوں کا ذکر ہوا۔ اقطاب، اوتاد اور ابدال کے احوال اور ان کی خصوصیات وغیرہ کا تذکرہ بھی ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ بادشاہ سب باتیں تسلیم کرتا رہا۔ اور دوران گفتگو میں کوئی ایسا تغیر ظاہر نہیں ہوا جو بدمزگی پر دلالت کناں ہو۔ ان واقعات اور ملاقات میں شاید اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ ہوگی اور کتنی راز مخفی ہوگا۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔

دوسرے یہ کہ قرآن مجید بادشاہ کو سورۂ عنکبوت تک ختم کرا چکا ہوں۔ جب رات کو اس مجلس (بادشاہ) سے اٹھ کر آتا ہوں تو تلاوت میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ حفظ قرآن کی یہ اعلیٰ دولت، اس پراگندہ حالی میں جو عین جمعیت قلب ہے، حاصل ہوئی۔ الحمد للہ اولاً و آخراً[۱۲]

۱۲؎ مکتوبات امام ربانی، دفتر ...

جہاں گیر کے متعدد امرا و وزرا بھی حضرت مجدد کے عقیدت مندوں میں شامل تھے اور ان کے نام انھوں نے مکتوب بھی تحریر فرمائے۔ اس محبت و عقیدت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے دل میں اسلامی شریعت کی ترقی و بہبود کا جذبہ مزید راسخ ہوا اور اس کے ارکان دربار بھی ان سے بہت متاثر ہوئے۔

مشہور ہے کہ جہاں گیر کہا کرتا تھا کہ میرے پاس نجات کی ایک دستاویز ہے، اور وہ حضرت شیخ احمد سرہندی کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں لے جائے گا تو ہم تیرے بغیر نہ جائیں گے۔

دربار میں نماز کا اہتمام اور زمین بوس ہونے کی ممانعت

جہاں گیر نے دربار خاص و عام میں نماز کا اہتمام کیا اور اس کے لیے ہرن کی کھالوں کے جانماز تیار کرنے کی تاکید کی۔ یہ بھی حکم دیا کہ قاضی سجدے کی شکل میں اس کے سامنے زمین بوس نہ ہوا کریں۔ اس ضمن میں وہ اپنے چھٹے سال جلوس کے حالات میں خود لکھتا ہے:

پوست ہائے آہو شکار خاصہ را فرمودم کہ جانماز ہا ترتیب دادہ در دیوان خاص و عام نگاہ دارند کہ مردم براں نماز می گزاردہ باشند۔ میر عدل و قاضی را کہ مدار امور شرعیہ بر ایشاں است بہ جہت خاص حرمت شرع فرمودم کہ زمین بوس کہ بہ صورت سجدہ است نہ کنند [۵۳]

میں نے شکار کرنے والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ دیوان خاص اور دیوان عام میں ہرن کی کھالوں کے جانماز ترتیب کے ساتھ بچھائیں تاکہ لوگ ان پر نماز ادا کریں ——— میر عدل اور قاضی کے نام بھی کہ امور شرعیہ کے نفاذ کی ذمہ داری ان ہی پر عائد ہوتی ہے، یہ حکم جاری کیا ہے کہ وہ حدود شریعت کا خاص خیال رکھیں اور سجدے کی صورت میں زمین بوس نہ ہوا کریں۔

خلاف شرع رسوم سے نفرت

جہاں گیر کے قلب و ذہن اور فکر و عمل کی دنیا بالکل بدل گئی تھی۔ برصغیر کے مسلمانوں میں ہندوؤں اور غیر مسلموں سے میل جول کی وجہ سے جو غیر اسلامی رسوم و عوائد رواج پا گئے تھے، جہاں گیر اس کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس پر دکھ کا اظہار کرتا تھا۔ اس نے اپنے

---

[۵۳] تزک جہاں گیری، ص ۱۰۰

پندرھویں سالِ جلوس میں حضرت مجدد الف ثانی کو قلعۂ گوالیار سے رہا کیا، اسی سال وہ کشمیر گیا، وہاں علاقہ راجوڑی کے مسلمانوں کی حالت دیکھی اور ان میں مروّج غلط رسمیں اس کے علم میں آئیں تو بادشاہ کو بڑی ذہنی کوفت ہوئی۔ اس کا وہ تزکِ جہاں گیری میں جن الفاظ میں اظہار کرتا ہے، ان کا ترجمہ یہ ہے :

یہاں کے زمینداروں کو راجا کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو سلطان فیروز نے دائرۂ اسلام میں داخل کیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو راجا کہتے ہیں اور ابھی تک زمانۂ جہالت کی بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بدعات ان میں پوری طرح جاری اور مستمر ہیں۔ یہاں کسی ہندو عورت کا شوہر مر جائے تو وہ اس کے ساتھ ہی آگ میں جل جاتی ہے۔ اور مسلمان عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو بیوی کو زندہ اس کی قبر میں دفن کر دیتے ہیں۔ سنا گیا ہے کہ اس علاقے کی ایک عورت کو انہی دنوں اس کے ہم عمر مردہ شوہر کے ساتھ زندہ درگور کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بعض لوگ بیٹی کو پیدائش کے وقت ہی قتل کر دیتے ہیں۔ کچھ لوگ ہندوؤں سے رشتے داری قائم کرتے ہیں۔ اپنی لڑکیاں ان کو دیتے ہیں اور ان کی لڑکیاں ان سے لیتے ہیں۔ نعوذ باللہ ان بدعات کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ (اب سرکاری طور پر) حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اس قسم کی بدعات کا ارتکاب کرے، اسے سزا دی جائے[۴۱]

پھر آیندہ برس سولھویں سالِ جلوس میں بادشاہ فتح کانگڑہ کا واقعہ بیان کرتا ہے۔ وہاں کے مسلمانوں کی غیر دینی حالت کو دیکھتا ہے تو سخت افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ کانگڑہ میں پہاڑ کے دامن میں ہندوؤں کا ایک بت خانہ ہے، جسے جوالا مکھی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس بت خانے میں مسلمان بھی جاتے، بتوں کو پوجتے اور نذرانے پیش کرتے تھے۔ جہاں گیر اپنے تزک میں اس کا ذکر خاصی تفصیل سے کرتا ہے، وہ لکھتا ہے :

قطع نظر از کفار کہ بت پرستی آئین آنہاست، گروہ گروہ از اہلِ اسلام مسافتِ بعیدہ طے نمودہ، نذورات می آرند و پرستش ایں سنگِ سیاہ می نمایند[۴۲]

قطع نظر کفار کے کہ بت پرستی ان کا مذہبی شیوہ ہے، گروہ در گروہ مسلمان بھی دور دراز کی مسافت

---

[۴۱] تزکِ جہاں گیری، ص ۳۲۲ [۴۲] ایضاً، ص ۳۴۷

طے کر کے وہاں آتے، نذریں پیش کرتے اور اس سنگِ سیاہ کی پرستش کرتے ہیں۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں کی غیر دینی اور خلافِ شرع حرکات کے ارتکاب سے جہاں گیر کو سخت ذہنی اذیت پہنچتی تھی۔

سفرِ کانگڑہ میں علمائے اسلام کی معیت

سولھویں سالِ جلوس میں جہاں گیر فتح کانگڑہ کی غرض سے روانہ ہوا تو علمائے اسلام بھی اس کے ساتھ تھے، اس نے یہ نہیں بتایا کہ کون کون عالمِ دین اس کے ہم رکاب تھے، تاہم اس کا تذکرہ وہ صراحت سے کرتا ہے۔ قلعۂ کانگڑہ میں اذان اور شعارِ اسلام کی بجا آوری کا ذکر بھی کرتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

متوجہ سیر قلعہ کانگڑہ شدم و حکم کردم کہ قاضی و میر عدل و دیگر علمائے اسلام در رکاب بودہ آنچہ شعارِ اسلام و شرائط دینِ محمدی است در قلعہ مذکور بعمل آورند۔۔۔ بتوفیقِ ایزد سبحانہ بانگِ بنماز و خواندنِ خطبہ و کشتنِ گاؤ وغیرہ کہ از ابتدائے بنائے ایں قلعہ تا حال نشدہ بود، ہمہ را در حضورِ خود بعمل آوردم۔ سجداتِ شکر ایں موہبتِ عظمیٰ کہ ہیچ بادشاہے توفیق براں نیافتہ بود بتقدیم رسانیدہ۔ حکم فرمودم کہ مسجدِ عالی درونِ قلعہ بنا نہند۔[۱۲۶]

قلعہ کانگڑہ کی طرف عنانِ توجہ مبذول کی اور حکم دیا کہ قاضی، میر عدل اور دیگر علمائے اسلام ہم رکاب ہوں تاکہ اس قلعے میں شعارِ اسلام اور شرائط دینِ محمدی پر عمل کیا جائے۔۔۔ چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توفیق سے نماز کے لیے اذان کہی گئی، خطبہ پڑھا گیا اور گائے ذبح کی گئی۔ دیگر احکامِ اسلام پر بھی عمل ہوا۔ یہ وہ امورِ دینی تھے، جن پر قلعے کی تعمیر سے لے کر آج تک اس قلعے میں عمل نہیں ہوا تھا۔ یہ سب امور میں نے اپنے سامنے ادا کرائے۔ اللہ کی اس عنایتِ عظیم پر شکر کے سجدے ادا کیے کہ اس سے قبل کسی بادشاہ کو اس کی توفیق نہ ہوئی تھی، اس میں مجھے ہی تقدم حاصل ہوا۔ میں نے حکم جاری کیا کہ قلعے کے اندر ایک عالی شان مسجد تعمیر کی جائے۔

مطالعۂ کتب کا شوق اور مدارسِ دینیہ کی تعمیر

جہاں گیر کو مطالعۂ کتب کا بہت شوق تھا، سرکاری کتب خانے کے علاوہ اس کا ایک اپنا

---

۱۲۶ تزکِ جہاں گیری، ص ۳۴۶، ۳۴۷

شاندار ذاتی کتب خانہ تھا، اس کے مہتمم کا نام مکتوب خاں تھا۔ وہ سفر میں بھی ضروری کتابیں ساتھ رکھتا تھا۔ تزکِ جہاں گیری میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ جب بادشاہ گجرات گیا تو وہاں کے مشائخ کو اپنے کتب خانے سے تفسیر حسینی، تفسیر کشاف اور روضۃ الاحباب پیش کیں۔ وہ اپنے بارھویں سالِ جلوس کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے:

مشائخ گجرات راکہ بمشایعت آمدہ بودند مرتبہ دیگر خلعت وخرچی با اراضی مددمعاش دادہ رخصت فرمودم، وبہ ہریک ازیں ہا کتابے از کتاب خانہ خاصہ مثل تفسیر کشاف وتفسیر حسینی وروضۃ الاحباب مرحمت شد وبر پشتِ آں کتب، تاریخ آمدن گجرات و مرحمت نمودن کتاب مرقوم گشت[۱۷]

مشائخ گجرات میرے پاس آئے تو میں نے ان کے مرتبے کے مطابق انھیں خلعت، مصارف اور مددِ معاش کے لیے اراضی دے کر رخصت کیا۔ ساتھ ہی ان میں سے ہر ایک کو اپنے ذاتی کتب خانے سے تفسیر کشاف، تفسیر حسینی اور روضۃ الاحباب وغیرہ کتابیں پیش کیں اور ان کتابوں کی پشت پر اپنی گجرات میں آمد اور کتاب دینے کی تاریخ تحریر کی۔

جہاں گیر مدارسِ دینیہ کی تعمیر کا بھی شائق تھا۔ بقول خافی خاں کے اس کے لیے اس نے یہ اہتمام کر رکھا تھا کہ کوئی امیر اور متمول شخص لاوارث فوت ہو جاتا تو اس کے مال و اسباب میں سے مدارس اور خانقاہیں تعمیر کراتا تھا۔ تاریخ خان جہان کی روایت کے مطابق اس نے وہ تمام مدارس ازسرِنو آباد کیے جو گزشتہ تیس سالوں سے پرندوں اور چوپایوں کے مسکن بنے ہوئے تھے[۱۸]

قرآنِ مجید سے قلبی لگاؤ اور اس کے فارسی ترجمے کا حکم

جہاں گیر کو قرآنِ مجید سے قلبی لگاؤ تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس نے اپنے تیرھویں سالِ جلوس میں، اس عہد کے ایک عالمِ دین شیخ محمد بن جلال حسینی گجراتی کو، جن کی وہ بہت تعریف کرتا ہے، قرآنِ مجید کا فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ ترجمہ لفظی ہو، اور الفاظِ قرآن سے ایک حرف بھی زائد نہ ہو۔ نیز تاکید کی کہ ترجمہ آسان اور عام فہم ہونا چاہیے۔ الفاظ اور زبان میں کسی قسم کا تصنع اور تکلف ہرگز نہ ہو[۱۹]

---

[۱۷] تزکِ جہاں گیری، ص ۲۲۰

[۱۸] بزمِ تیموریہ، ص ۱۶۸

[۱۹] تزکِ جہاں گیری، ص ۲۴۵

معلوم نہیں یہ ترجمہ ہوا یا نہیں ہوا، اور اگر ہوا تو کہیں موجود ہے یا نہیں۔ غالباً یہ پہلا ترجمہ ہے جس کا یہ خبر کہ ایک عالم کو فارسی زبان میں کرنے کا حکم دیا گیا۔

اوراد و وظائف

اس کی ایک تحریر بتاتی ہے کہ وہ اوراد و وظائف کا بھی قائل تھا۔ نیز وہ علما و صلحا کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ وہ لکھتا ہے:

بعلما و دانایان اسلامیہ فرمودم کہ مفرداتِ اسمائے الٰہی راکہ دریاد گرفتن آسان باشد جمع نمایند تاآں را وردِ خود سازم، وہ در شبہائے جمعہ با علما و صلحا و درویشان و گوشہ نشینان صحبت می دارم[۲۵]

میں نے علمائے اسلام اور فقہا کو حکم دیا ہے کہ وہ مفرداتِ اسمائے الٰہی کو جمع کریں کیوں کہ ان کو یاد رکھنا آسان ہے۔ میں ان کا وظیفہ کرنا چاہتا ہوں۔ جمعرات کو میں علما، صلحا اور درویشوں اور گوشہ نشینوں کی صحبت اختیار کرتا ہوں۔

ادب و شعر سے دلچسپی

دودمانِ مغلیہ کا یہ بادشاہ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ رحم دلی، حلم، نرم مزاجی اور عدل و قسط اس کا خاصہ تھا۔ ظریف الطبع، بہترین شاعر، فصیح البیان اور ذکی و فہین تھا۔ تحریر و تقریر میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ تزکِ جہاں گیری اس کی اپنی تصنیف ہے۔ اس کے مندرجات سے پتا چلتا ہے کہ وہ ادبیت و فصاحت میں مرتبۂ کمال پر فائز تھا، انتخابِ الفاظ میں نہایت محتاط تھا، منظر کشی میں کوئی اس کا حریف نہ تھا۔

تزکِ جہاں گیری کے علاوہ فارسی زبان میں "پندنامہ" کے نام سے اپنے بیٹوں کے لیے ایک رسالہ قلم بند کیا جو چند اوراق پر مشتمل ہے۔

مے نوشی اور افیون خوری

بہت سی خوبیوں کے باوجود جہاں گیر میں کچھ ایسی عادتیں بھی تھیں، جو سراسر غیر اسلامی اور خلافِ شرع ہیں۔ مثلاً وہ مے نوش اور افیون خور تھا اور اس کا وہ برملا اظہار بھی کرتا ہے۔ اس کے قول و فعل کا تضاد ملاحظہ ہو کہ ایک طرف تو وہ خود اپنے ہی جاری کردہ دستور العمل اور بارہ احکام،

---

[۲۵] تزکِ جہاں گیری، ص ۱۰۰

میں سے چوتھے حکم میں یہ اعلان کرتا ہے:

شراب و دربہرہ و آنچہ از قسم مسکرات منہیہ باشد نہ سازند و نہ فروشند[۱۲]

کہ شراب اور دیگر نشہ آور چیزیں جن سے شریعت میں روکا گیا ہے، نہ تیار کی جائیں اور نہ فروخت کی جائیں۔

لیکن خود شراب پیتا اور افیون کھاتا ہے، حالاں کہ یہ دونوں چیزیں نشہ آور ہیں اور نشہ آور چیزوں سے شریعت نے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ زندگی کے آخری دور میں تو کثرت سے مے نوشی کرنے لگا تھا اور یہی عادتِ بد اس کی موت کا سبب بنی۔

ملکی مصالح

جہاں گیر کے حالات میں اس کی رحم دلی اور منصف مزاجی کا خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے کردار کا یہ پہلو بھی ہمارے سامنے آتا ہے کہ اس نے خود اپنے بیٹوں پر سختیاں کیں اور بعض اہم شخصیتوں کی موت کا باعث بنا۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہ ذاتی طور پر واقعی نرم دل اور متحمل مزاج تھا، عدل و انصاف میں بھی خاص شہرت کا حامل تھا، لیکن اتنے بڑے ملک کے بادشاہ اور حکمران کی حیثیت سے اس پر کچھ نازک ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی تھیں جو ملک کے سیاسی مصالح کی بنا پر اسے بعض اوقات تشدد پر مجبور کرتی تھیں۔ اس لیے اگر اس سے کسی پر عملاً سختی اور تشدد کرنا بھی پڑا ہے تو ممکن ہے حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر ایسا کرنا اس کے نزدیک ضروری ہو۔

دورِ جہاں گیری کے علمائے کرام

دورِ جہاں گیری کے علمائے کرام، فقہائے عظام، حکمائے عالی مقام اور شعرائے نامدار کے اسمائے گرامی کی فہرست بہت طویل ہے، ان میں سے جو حضرات ہمارے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے نام اور علمی کارنامے فقہائے ہند کی جلد چہارم کے حصۂ اوّل میں بھی مرقوم ہیں اور حصۂ دوم میں بھی۔ ان میں حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا تذکرہ تو بار بار

---

[۱۲] تزکِ جہاں گیری، ص ۵

آتا ہے، ان کے علاوہ جن فضلائے عصر کی فہرست جہاں گیر نامہ وغیرہ نے بہم پہنچائی ہے، ان میں سے چند حضرات یہ ہیں: مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی، ملا عبد اللطیف سلطان پوری، علامہ محمود جون پوری، ملا محمد فاضل کابلی، ملا حسن مراغی، شیخ محمد یمنی، قاضی نور اللہ شستری، میر شکر اللہ شیرازی، ملا روز بہان شیرازی، میر ابو القاسم گیلانی، ملا عبد الرحمٰن گجراتی، ملا نفسہائے شستری، ملا باقر کشمیری، ملا مقصود علی[۲۲]

شیخ محمد میر سے عقیدت و تعلق

جہاں گیر کو جن مشائخ کرام اور علمائے عظام سے خاص عقیدت تھی، ان میں لاہور کے شیخ محمد میر بھی شامل ہیں، جنھیں اب میاں میر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جہاں گیر اپنے چودھویں سنِ جلوس میں تزکِ جہاں گیری میں بڑے احترام سے ان کا ذکر کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

چوں بعرض رسید کہ در لاہور شیخ محمد میر نام درویشے است، ہندی الاصل، بغایت فاضل و مرتاض و مبارک نفس و صاحبِ حال، در گوشۂ توکل و عزلت منزوی گشتہ از فقر غنی و از دنیا مستغنی نشستہ است۔ بنا بریں خاطرِ حق طلب بے ملاقات ایشاں قرار نہ گیرد و بدیدنِ ایشاں رغبت افزود۔ چوں بہ لاہور رفتن متعذر بود رقعہ بخدمتِ ایشان نوشتہ، شوق باطن را ظاہر ساختم، و آں عزیز با وجود کبر سن و ضعفِ بینہ تصدیعہ کشیدہ تشریف آورد و مدت ممتد تنہا با ایشاں نشستہ صحبتِ مستوفی داشتہ شد۔ الحق ذاتِ شریف است و دریں عہد بغایت غنیمت و عزیز الوجود۔ ایں نیازمند از خود برآمد، با ایشاں صحبت داشت و بسا سخنہا بلند از حقائق و معارف استماع افتاد۔ ہر چند خواستم نیازے بگزارنم، چوں پایۂ ہمت ایشاں را ازاں عالی تر یافتم، خاطر باظہار ایں مطلب رخصت نہ داد۔ پوست آہو سفید بہ جہت جائے نماز بایشاں گزرانیدم، فی الفور وداع شدہ بہ لاہور تشریف بردند[۲۳]

جب مجھے پتا چلا کہ لاہور میں شیخ محمد میر نام کے ایک درویش سکونت پذیر ہیں، جو اصلاً ہندی ہیں، نہایت فاضل، پسندیدہ خو، شریف النفس اور صاحبِ حال بزرگ ہیں۔ توکل و عزلت کی زندگی بسر کرتے ہیں

۲۳ھ تزکِ جہاں گیری، ص ۲۹۰

فقر پر قانع اور دنیا سے بے نیاز ایک گوشے میں بیٹھے ہیں، تو طلبِ حق کی غرض سے ان سے ملاقات کے بغیر دل میں چین نہ آیا اور ان کی زیارت کا شوق بے قرار کرنے لگا۔ چنانچہ جب لاہور جانا مشکل ہو گیا تو ان کی خدمت میں رقعہ لکھا اور اپنے باطن کا اشتیاق ظاہر کیا۔ وہ عزیز القدر بزرگ باوجودیکہ کبرسنی کو پہنچ گئے تھے اور جسم پر کمزوری کے آثار نمایاں ہو گئے تھے، بہت مشکل سے تشریف لائے، بڑی دیر تک تنہائی میں ان کی خدمت میں بیٹھنے کا موقع ملا اور خوب صحبت رہی۔ بلاشبہ وہ اونچے مرتبے کی شخصیت ہیں اور اس عہد میں ان کا وجود مسعود انتہائی غنیمت ہے۔ یہ نیاز مند خود باہر نکل کر ان سے ملا، ان کی صحبت سے لطف اندوز ہوا اور حقائق و معارف سے بھرپور باتیں سننے کا بہترین موقع میسر آیا۔ ہر چند چاہا کہ کوئی نذر پیش کروں، مگر جب ان کے مرتبے کو اس سے بہت بلند پایا تو دل نے اس کے اظہار کی اجازت نہ دی۔ البتہ جائے نماز کی شکل میں سفید ہرن کی کھال پیش خدمت کی۔ وہ اسی وقت واپس لاہور تشریف لے گئے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جہانگیر کے دل میں علما و مشائخ کی کیا قدر و منزلت تھی اور وہ کس عقیدت و احترام کے ساتھ ان سے ملتا تھا۔

برصغیر میں انگریز کا قدم

جہانگیر کا تذکرہ ختم کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں تجارت کی غرض سے انگریز سب سے پہلے جہانگیر ہی کے عہد میں آئے تھے۔ مختصر الفاظ میں واقعہ یوں ہے کہ ۳۱ دسمبر ۱۶۰۰ء کو برطانیہ کی ملکہ الزبتھ کے عہد میں لندن کی ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان میں تجارت کرنے کا پہلا چارٹر ملا۔ کپتان ولیم ہاکنز ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا انگریز تاجر ہے جس نے ساحلِ ہند پر قدم رکھا۔ ۱۶۰۸ء میں اس کا جہاز ہیکٹر سورت کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ ہاکنز نے جہانگیر کے دربار میں حاضر ہو کر انگلستان کے بادشاہ، جیمز اول کا مکتوب اس کی خدمت میں پیش کیا۔ انگریزوں کی پہلی تجارتی کوٹھی ۱۶۰۸ء میں سورت میں تعمیر کی گئی۔ ۱۶۱۳ء میں بادشاہ جہانگیر نے سورت، کھمبایت گوگو اور احمد آباد میں کوٹھیاں بنانے کی اجازت دی۔ اسی سال انگریزوں کو سورت میں ایک فیکٹری قائم کرنے اور مغل دربار میں سفارت کے فرائض انجام دینے کی سند حاصل ہوئی۔ بعد ازاں مچھلی پٹم

رف سے شہنشاہِ ہند جہاں گیر کے دربار میں آیا۔ شاہی دربار میں ...
سفیرِ مذکور چار سال فرائضِ سفارت پر مامور رہا۔ اس اثنا میں اس نے ایک کتاب بھی لکھی،
جس میں ہندوستان کے بادشاہ، یہاں کے سیاسی حالات اور دربار کی کیفیات قلم بند کیں۔ اس
سے پہلے ولیم ہاکنز بھی ہندوستان میں موجود تھا، وہ بھی بادشاہ سے قریبی روابط رکھتا تھا،
اس نے بھی یہاں کے حالات تحریر کیے، جن میں بادشاہ کو ظالم اور سفاک قرار دیا ہے۔ ۱۶۱۵ء
میں دو اور انگریز رچرڈ سٹیل اور جان کرد تھر، اصفہان جاتے ہوئے دہلی سے گزرے تھے،
انھوں نے بھی اپنی ڈائری میں بادشاہ پر سخت تنقید کی ہے اور یہاں کی رعایا کو مفلس لکھا ہے۔
جہاں گیر کے زمانے میں انگریز کے ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آنے، عہدۂ سفارت پر فائز
ہونے اور پھر یہاں کے حالات و کوائف قلم بند کرنے کا تذکرہ ہم نے چند الفاظ میں اس لیے کیا ہے کہ آئندہ
چل کر اس سے برِ صغیر کی تاریخ کا رخ بدل گیا اور یہ خطۂ ارض سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے
انقلاب و تغیر کے خوف ناک طوفانوں کی زد میں آگیا۔

وفات

بہرحال بادشاہِ ہند نور الدین محمد جہاں گیر میں اگرچہ اچھائیوں کے ساتھ ساتھ بحیثیت انسان
کے برائیاں بھی پائی جاتی تھیں لیکن مجموعی اعتبار سے وہ ایک اچھا حکمران تھا اور بہت سے اوصاف
اس کی ذات میں سمٹ آئے تھے۔ وہ علما و فقہا اور مشائخ و اولیا کا قدردان، ذاتی طور پر اسلام
کا خادم اور عادل بادشاہ تھا۔

شہنشاہ جہاں گیر کی موت حالتِ سفر میں واقع ہوئی۔ وہ کشمیر کے دورے پر تھا اور وہاں کے
ایک مقام راجوڑی سے بھمبر جا رہا تھا کہ راستے میں چاشت کے وقت ہفتے کے روز ۲۸ر صفر ۱۰۳۷ھ
کو اٹھاون ۵۸ سال کی عمر پاکر اپنے جلوسِ سلطنت کے بائیسویں برس میں انتقال کر گیا، اس کی میت
لاہور لائی گئی اور اسی شہر میں اسے دفن کیا گیا۔ مقامِ تدفین کا انتخاب اس کی بیوی نور جہان نے
کیا تھا، جہاں اس نے اپنے خرچ سے ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا۔

اس زمانے کے سیاسی حالات کچھ ایسا رخ اختیار کر گئے تھے کہ بابر کی نسل کے اس چوتھے عظیم
بادشاہ کی رسومِ تعزیت شاہی روایات کے مطابق ادا نہ کی گئیں۔